فیصلہ خود کریں!!!

حق پر کون

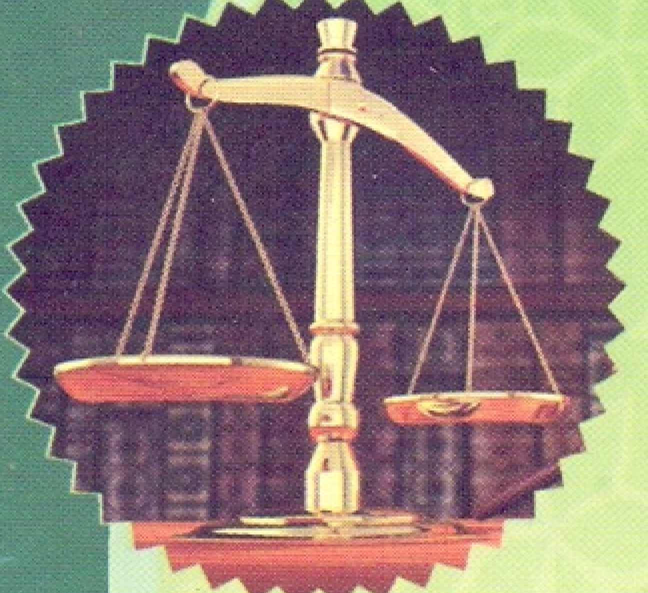

ممتاز حسین قادری یا سلمان تاثیر؟

(ایک غیر جانبدار تجزیہ)

ترتیب و تالیف

جگر گوشہ سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ

آفتاب ولایت، پیکر عجز و نیاز، یادگار اسلاف، پروردہ آغوش ولایت عارف رمز طریقت نجم المشائخ

صاحبزادہ **پیر محمد خالد سلطان القادری سروری** دامت برکاتہم العالیہ

امیر: جماعت الصالحین (پاکستان)، سابق ممبر اسلامی نظریاتی کونسل (پاکستان)، مرکزی چیف آرگنائزر: جماعت اہلسنت (پاکستان)

سرپرست: پاکستان مشائخ کونسل...... چیئرمین: گلستان باہو ویلفیئر ٹرسٹ انٹرنیشنل

حسن ترتیب

علامہ عبید رضا سلطانی

سعادت اہتمام

الصالحین پبلیکیشنز (جماعت الصالحین) (پاکستان)

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

حق و باطل کی جنگ آدم علیہ السلام کی تخلیق سے شروع ہوئی اور تا قیامت جاری رہے گی۔ رحمانی لشکر اور شیطانی لشکر میں مقابلہ ہر دور میں ہوتا رہا ہے۔ یہ فیصلہ ہمیں کرنا ہے کہ ہم رحمانی لشکر کے سپاہی بنتے ہیں یا شیطانی لشکر کے، خدا کے نام لیوا بنتے ہیں یا دشمنانِ خدا کے، آقا ﷺ کے غلاموں کی صف میں شامل ہوتے ہیں یا ابولہب کے پیروکاروں کے۔ خدا کے لشکر میں شامل ہونے کے لئے ضروری ہے ہمیں حق اور سچ کا ادراک ہو۔ اس ادراک کے لئے غیر جانبداری کے ساتھ چیزوں کا جاننا ضروری ہے۔

آج کا اہم ترین مسئلہ توہینِ رسالت کا قانون ہے۔ ملک بھر میں جاری بحث مباحثہ میں اٹھائے گئے اعتراضات میں یہ تاثر دیا جا رہا ہے کہ توہین رسالت کی سزا یا تو شرعی طور پر ایک مسلمہ امر نہیں، یا اس کا اطلاق موجودہ حالات پر نہیں ہوتا۔ اس نوعیت کے اعتراضات نے چونکہ میڈیا کے ذریعے ہر عام و خاص کو متاثر کیا ہے، اس لئے ان کے بارے میں شریعتِ اسلامیہ کے موقف کی وضاحت ضروری ہو جاتی ہے۔ ساتھ ہی گورنر پنجاب سلمان تاثیر کے قتل سے ایک نئی بحث نے جنم لیا ہے۔ ایک طبقہ سلمان تاثیر کو شہید اور پاکستان میں لبرل ازم کا علمبردار قرار دیتے ہوئے خراج تحسین پیش کر رہا ہے، ان کی یاد میں شمعیں جلا رہا ہے جبکہ دوسرا طبقہ ممتاز حسین قادری کو غازی قرار دیتے ہوئے اس کا تعلق غازی علم دین شہید سے جوڑ رہا ہے اور ان پر پھول نچھاور کر رہا ہے۔

آیئے اس پوری صورتِ حال کا تفصیل سے جائزہ لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کون حزب اللہ میں سے ہے اور کون حزب الشیطان میں سے۔ کون صاحبِ کوثر کے دستِ مبارک سے جامِ کوثر نوش کر رہا ہوگا اور کس سے رحمتِ عالم ﷺ لاتعلقی کا اعلان کر رہے ہوں گے۔

پس منظر: 4 جنوری 2011ء کی شام 5 بجے پنجاب کے گورنر سلمان تاثیر کو اسلام آباد میں قتل کر دیا گیا۔ قتل کے فوراً بعد گرفتار ہونے والے ممتاز قادری کا موقف یہ تھا کہ اس نے یہ قتل خالصتاً ذاتی نیت اور ارادے سے کیا ہے، اور سلمان تاثیر کو قتل کرنے کی وجہ اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ اس نے 'قانونِ امتناع

توہین رسالت کو' کالا قانون ' کہااور توہین رسالت کے مجرموں کی تائید اور پشت پناہی کی۔

اس اہم ترین واقعہ نے دنیا بھر کو پاکستان کی طرف متوجہ کردیا اور اندرون و بیرونِ ممالک بڑی تکرار سے کہا جانے لگا کہ پاکستانی معاشرہ انتہاپسندی کی طرف مائل ہے۔ اس معاشرے سے برداشت اور رواداری ختم ہوتی جارہی ہے۔ کیا محض کسی ایک مظلوم عورت کی تائید کردینا اتنا بڑا جرم ہے کہ ایسا کرنے والے کو جینے کے حق سے محروم کردیا جائے؟ اگر کوئی شخص کسی قانون کے متعلق مخالفانہ رائے رکھے اور اس پر شدید تنقید کرے تو دلیل واستدلال سے جواب دینے کی بجائے بندوق اور گولی کی زبان سے اس کا خاتمہ کیوں کیا جاتا ہے؟ سلمان تاثیر کے اس سنگین قتل نے ملک بھر میں ایک نظریاتی جنگ کو شروع کردیا اور ٹی وی واخبارات پر موجود جدت پسند طبقہ نے بہانے بہانے سے اس قتل کے خلاف طرح طرح کے سوالات پیدا کئے۔ رواداری کی ہردم دوسروں کو تلقین کرنے والا یہ طبقہ اس موقعہ پر شدید عدم برداشت کا مظاہرہ کرتا نظر آیا، اور اپنی تحریروں میں بالخصوص جو زبان استعمال کی اور جیسے الزامات دہرائے، اس سے ان کی عدم برداشت کا پول کھل گیا۔ بعض ایسے بھی تھے جو اس معاملے کی سنگینی محسوس کرکے عذر آرائیاں کرنے لگے جبکہ انگریزی میڈیا کے بعض انتہاپسندوں نے عبرت نہ پکڑتے ہوئے توہین رسالت کے قانون کو سیاہ قانون بلکہ 'ڈریکولین لاء ' کہنے کی جسارتیں بھی کیں۔

پاکستان میں یہ ایک محدود مگر متحرک وبااثر اقلیت کا ردعمل تھا جو یہاں بیان کیا گیا، دوسری طرف بیشتر عوام نے نہ صرف اس قتل کو سراہا بلکہ ممتاز قادری کو پھولوں کے ہار بھی پیش کئے۔ سینکڑوں وکلا نے عدالت میں پیشی کے موقع پر اس کے حق میں نعرہ بازی کی، پشاور کے تین سو وکلا نے اس کا کیس مفت لڑنے کی پیش کش کی، راولپنڈی اور اسلام آباد بار نے ممتاز قادری کی مکمل حمایت کا اعلان کیا۔ کراچی میں تحریک ناموسِ رسالت ﷺ کی کال پر عوام الناس کے ایک سیل رواں نے عظیم الشان ریلی نکالی۔ ممتاز قادری کے والد کی رہائی کے موقع پر ہزاروں لوگوں نے ان کا ایسا شاندار استقبال کیا کہ تاحد نگاہ افراد ہی افراد دکھائی دیتے تھے۔ اب جب عدالت نے ممتاز قادری کی سزائے موت کو برقرار رکھا ہے تو ایک بار پھر مذہبی طبقے کی جانب سے نئے سرے سے ایک تحریک کا آغاز کردیا گیا ہے جس میں حکومت وقت سے یہ

مطالبہ کیا جارہا ہے کہ ممتاز قادری کو رہا کیا جائے یا اس کیس کو شرعی عدالت میں سماعت کے لئے پیش کیا جائے تو اس احتجاجی ماحول میں جذبات اور ردعمل سے مغلوب ہونے کی بجائے اس امر کی ضرورت ہے کہ ایک طرف سیکولر لابی کی طرف سے اُٹھائے گئے اعتراضات کا جائزہ لیا جائے تو دوسری طرف سلمان تاثیر کے قتل اور ممتاز قادری کے اقدام کے بارے میں اسلامی شریعت سے رہنمائی لی جائے کہ اسلام ایسا معتدل ومتوازن دین اس اہم قانونی مرحلہ پر ہماری کیا رہنمائی کرتا ہے؟ اُن اعتراضات وشبہات کو موضوع بنایا گیا ہے جو میڈیا پر بطورِ خاص ان دنوں اس واقعہ کے حوالہ سے نمایاں ہوئے اور ایک عام مسلمان کے دل ودماغ میں جو سوالات گردش کررہے ہیں جن کہ باعث وہ تذبذب کا شکار ہے۔

یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ قرآن میں توہین رسالت کی سزا کہاں ہے؟ لہذا قرآن سے ثابت نہیں۔

ذیل میں ہم قرآن مجید سے گستاخ رسول کی سزائے موت کے دلائل کو ذکر کرتے ہیں : پہلی آیت: **بے شک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کررکھا ہے۔** (سورۃ احزاب۔ آیت: 57)

یہ بات قابل غور ہے کہ اللہ تعالی کو ایذا، تکلیف اور ضرر کوئی نہیں پہنچا سکتا اور نہ ہی اس کو کوئی ضرر لاحق ہوسکتا ہے تو پھر کیوں فرمایا: جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو؟

اللہ کی طرف ایذا کی نسبت کرنا دراصل بالخصوص اس کے رسول ﷺ کو ایذا دینا ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کی ایذا وتکلیف کو اللہ اپنی ایذا فرماتا ہے کیونکہ وہ تو قاہر، غالب اور ہر چیز پر قادرِ مطلق ہے۔

یہ سورہ الاحزاب کی آیت نمبر 57 ہے۔ آیت نمبر 53 میں اللہ نے نبی کریم ﷺ کی ایک بہت اعلیٰ صفت کا ذکر کیا ہے۔ وہ یہ کہ آپ اصحاب کی دعوت کرنا پسند فرمایا کرتے تھے۔ کھانا کھالینے کے بعد نبی کریم ﷺ کی صحبت میں صحابہ کرام کو وہ حلاوت اور وہ اطمینان نصیب ہوتا تھا کہ ان کا اٹھنے کا دل نہیں چاہتا تھا۔ نبی کریم ﷺ محبت ومروت کا پیکر تھے، اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود یہ نہیں کہہ پاتے تھے کہ اب وہ چلے جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کھانا کھانے بعد دیر تک بیٹھنا بھی ایذا قرار دیا گیا اور فرمایا گیا کہ: اے ایمان والوں نبی کے گھروں میں نہ حاضر ہو جب تک اذن نہ پاؤ مثلا کھانے کے لئے بلائے جاؤ نہ یوں کہ خود اس کے پکنے کی راہ تکو۔ ہاں جب بلائے جاؤ تو حاضر ہو اور جب کھا چکو تو متفرق ہوجاؤ نہ یہ کہ بیٹھے باتوں میں

دل بہلاؤ۔ بیشک اس میں نبی کو ایذا ہوتی تھی تو وہ تمہارا لحاظ فرماتے تھے اور اللہ حق فرمانے میں نہیں شرماتا۔

اس سے اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بے قصور مومن عورتوں اور مومن مردوں پر الزام لگانے والوں کا تذکرہ کیا ہے۔ اسے بھی ایذا اقرار دیا ہے۔ اس سے اگلی آیت میں اللہ نے اپنے نبی کو مخاطب کر کے فرمایا کہ وہ اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مومن عورتوں کو حکم دے دیں کہ وہ پردے میں ملبوس ہو کر نکلیں تا کہ وہ اوباشوں کی ایذا سے محفوظ رہیں، یعنی جملے کسنے اور تہمت لگانے کو بھی ایذا سے تعبیر کیا ہے۔ اس سے اگلی آیت میں انتباہ کیا کہ ایسی حرکتیں کرنے والے منافق اگر باز نہ آئے تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ دیں گے اور دلوں میں کوڑھ رکھنے والے اور توہین آمیز خبریں پھیلانے والے مدینہ میں رہ نہ سکیں گے، کچھ قتل ہوں گے اور کچھ جلاوطن ہوں گے۔

اس کے بعد اگلی آیت میں توہین رسالت کرنے والوں کے متعلق قرآن کا دوٹوک اور واضح فیصلہ یوں ہے: پھٹکارے ہوئے جہاں کہیں ملیں پکڑے جائیں اور گن گن کر قتل کیئے جائیں۔ (الاحزاب 61)

ثابت ہوتا ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ کی توہین کا معاملہ نا قابل برداشت ہے، چنانچہ سورۃ احزاب کی مندرجہ بالا آیت کا آغاز کیا تو ملعونین کے لفظ سے کیا یعنی وہی ملعونین جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دیں ان کی سزا یہ ہے کہ جہاں بھی بھاگ جائیں وہیں سے پکڑے جائیں اور قتل کیے جائیں تو ٹکڑے ٹکڑے کیے جائیں۔ اب اس سے اگلی آیت ملاحظہ ہو: **اللہ کا دستور چلا آتا ہے ان لوگوں میں جو پہلے گزر گئے اور تم اللہ کا دستور ہرگز بدلتا نہ پاؤ گے۔ (الاحزاب:62)**

جی ہاں! توہین رسالت کی سزا موت ایسا قانون، اللہ کا ایسا طریق کار ہے کہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں۔ چنانچہ کوئی حکومت توہین رسالت کے قانون میں تبدیلی کرنے کی مجاز نہیں۔ پہلے لوگوں میں لامحالہ یہودی اور عیسائی ہیں۔ دونوں کے لیے تورات شریعت کی الہامی کتاب ہے۔ بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور کی چھپی ہوئی بائبل کی چند آیات بھی یہاں لکھتے ہیں، تورات یا بائبل کا یہ باب استثناء ہے۔ صفحہ 183 ہے، ملاحظہ ہوں آیات: شریعت کی جو بات وہ تجھ کو سکھلائیں اور جیسا فیصلہ تجھ کو بتلائیں اسی کے مطابق کرنا اور جو کچھ فتویٰ وہ دیں اس سے داہنے یا بائیں نہ مڑنا، اور اگر کوئی شخص گستاخی سے پیش آئے کہ اس رسول کی بات جو خداوند تیرے خدا کے حضور خدمت کے لیے کھڑا رہتا ہے یا اس قاضی کا کہا نہ سنے تو وہ شخص مار ڈالا جائے اور تو اسرائیل میں سے ایسی برائی کو دور کر دینا اور سب لوگ سن کر ڈر جائیں اور پھر گستاخی سے پیش نہیں آئیں گے۔

ثابت ہوا انبیاء کی توہین کا جرم جیسا کہ قرآن نے بتلایا پہلی قوموں میں بھی قتل ہے۔ نیز بائبل نے واضح کر دیا کہ گستاخ رسول کو قتل کرنے کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ سزا کے ڈر سے کوئی گستاخی کا ارتکاب نہیں کرے گا۔

قرآن حکیم کی دوسری آیت: **وہ کہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے اور ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں ان کا بدلہ یہی ہے کہ گن گن کر قتل کئے جائیں یا سولی دئے جائیں یا ان کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹے جائیں یا زمین سے دور کر دئے جائیں۔ یہ دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب۔** (سورہ المائدہ:33)

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ فسادی کس کو کہا جاتا ہے؟ جو دو بندوں کے بارے میں بکواس اور بے ہودہ کلمات کہے عرف عام کی زبان اسے فسادی گردانتی ہے۔ تو جو کائنات کے امام کے بارے میں بیہودہ بکواس کرے، طعن وتشنیع کرے اس سے بڑا فسادی کون ہوگا؟

ممتاز قادری کے اقدام سے ثابت ہوگیا پاکستانی معاشرہ انتہا پسندی کی جانب گامزن ہے؟

اس سلسلے میں جو تشویش اندرون و بیرون ملک سب سے زیادہ پھیلتی نظر آئی، وہ یہی ہے۔ یہ بات ایک حد تک درست ہے لیکن اس کی حقیقت یہ نہیں جسے ہمارا میڈیا نمایاں کر رہا ہے کہ پاکستان کے مذہبی طبقات میں انتہا پسندی فروغ پا رہی ہے۔ پاکستان پر جو سماجی، تعلیمی، ثقافتی اور اقتصادی یلغار جاری ہے، اس کا ایک پہلو قانون توہین رسالت بھی ہے جو امریکہ کی امداد کے ساتھ اکثر مشروط رہا ہے۔ اگر پاکستان کا لادین اور مقتدر طبقہ اس انتہا پسندی کا شاکی ہے تو پاکستان کے عوام پر جبر وستم کی سیاست کا خاتمہ کر کے، ان کی مرضی اور پاکستان کے مقصد کے عین مطابق سنجیدہ اور ٹھوس اقدامات کرنے ہوں گے، وگرنہ حکمران عالمی قوتوں سے اپنے مفادات کے حصول کے لئے گٹھ جوڑ کرتے رہیں گے اور عوام اپنے دائرہ اختیار میں اپنی مرضی کریں گے۔

اگر آج پاکستان کے حکمران پاکستان کا حقیقی منظر نامہ دیکھنا چاہتے ہیں تو توہین رسالت کے قانون اور اس سلسلہ میں حکومتوں کے کردار پر ملک بھر میں ریفرنڈم کرا کے دیکھ لیں، ممتاز قادری کے اقدام قتل اور سلمان تاثیر کے واقعہ پر عوامی ریفرنڈم پر رائے عامہ کی کثرت سے اُنکی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔

قابل توجہ امر یہ بھی ہے کہ اس انتہا پسندی کی قیادت روایتی مذہبی طبقے نہیں کر رہے بلکہ اس غم وغصہ کا مظہر مغربی نظام تعلیم کے فیض یافتہ ایک نوجوان ممتاز قادری میں نظر آیا ہے۔ اخبارات کہتے ہیں ممتاز قادری عام پاکستانی

نوجوانوں جیسے رجحانات وکردار کا حامل ہے، اور دینی مدارس یا دینی تنظیمیں جنہیں مغرب زدہ لوگ فرسٹریشن کا شکار قرار دیتے ہیں، ان میں قادری کا شمار نہیں ہوتا۔ حکومت کیلئے فکرمندی کا پیغام یہ ہے کہ اگر یہ انتہا پسندی راسخ العقیدہ لوگوں سے بڑھ کر پورے معاشرے میں سرایت کر چکی ہے تو پھر حکومت اس کا علاج چند لوگوں کو نشانہ بنا کر نہیں کرسکتی۔ اس کے لئے حکومت کو معاشرے سے ظلم اور تشدد کا خاتمہ کرنا ہوگا، اس کے لئے عملی اور ٹھوس اقدامات بروئے کار لانا ہوں گے۔ رواداری کی یک طرفہ تلقین، بے کار وعظ کے سوا کچھ نہ ہوگی!! الغرض پاکستان کا یہ منظر نامہ حکمران طبقہ اور مغرب زدہ اقلیت کے انتہا پسند اقدامات کا ہی ردِّعمل ہے۔ سلمان تاثیر نے قانون توہین رسالت کو 'سیاہ قانون ' کہہ کر جس انتہا پسندی کو اختیار کیا، اُسی کے ردعمل کا وہ شکار ہو گیا!

سلمان تاثیر کا قتل کیا ایک مظلوم عورت آسیہ مسیح کی مدد کی سزا ہے؟: اگر ہمارے حکمران عوام میں ہونے والے کسی ظلم کے خلاف ان کی دادرسی کیلئے کھڑے ہوں تو یہ ایک قابل قدر امر ہے اور ہر شریف انسان اس کی تائید کرے گا، لیکن افسوس ہمارے حکمرانوں کا ماضی اس کردار سے آشنا نہیں۔ درحقیقت سلمان تاثیر نے کسی مظلوم عورت کی مدد نہیں کی، بلکہ ایسی عورت جو نہ صرف توہین رسالت بلکہ توہین قرآن اور توہین ازواجِ مطہرات کی مرتکب ہے اور کئی بار اس کا اعتراف کر چکی ہے، سیشن کورٹ کے جج نے سال بھر کی تفصیلی سماعت کے بعد اس کو توہین رسالت کا مجرم قرار دے کر، ایک لاکھ روپے جرمانہ اور موت کی سزا سنائی ہے، ایسی عورت کو سلمان تاثیر نے بری قرار دے کر، توہین رسالت کے خلاف اپنے داخلی رجحانات کی نشاندہی اور پاکستان کے عدالتی نظام پر بے اعتمادی کا برملا اظہار کیا ہے۔ اور بعد ازاں یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں جو کچھ کرتا ہوں، اس پر یقین رکھتا ہوں۔ گورنر تو قانون کا محافظ اور سربراہِ مملکت کا نمائندہ ہوتا ہے لیکن یہی صوبے کا قانونی سربراہ اگر قانون شکنی کو اپنی پہچان بنا لے اور عدالتی نظام کو بھی پس پشت ڈال دے تو عوام الناس کے لئے اس سے کیا پیغام ملتا ہے۔ یہ سلمان تاثیر ہی تھے جنہوں نے بسنت کے موقع پر قانون سازی اور عدالتی فیصلوں کے باوجود کھلم کھلا یہ کہا تھا کہ میں تو گورنر ہاؤس میں پتنگ بازی کروں گا!!

اگر آسیہ مسیح توہین رسالت کے علاوہ کسی اور جرم کی مرتکب ہوتی تو سلمان تاثیر اس کو کبھی معصوم اور مظلوم بی بی قرار نہ دیتے۔ ان کا یہ صفائی نامہ اور اپنی بیٹیوں اور بیوی کے ہمراہ جا کر اس سے اظہارِ ہمدردی کرنے کا پروٹوکول آسیہ مسیح کو قطعاً حاصل نہ ہوتا۔ کیونکہ کیا ہمارے معاشرے میں آسیہ مسیح کے علاوہ کوئی مظلوم نہیں کیا اس

سے پہلے یہاں کسی کے ساتھ بھی کوئی نا انصافی نہیں کی گئی جو ان کو صرف آسیہ مسیح مظلوم نظر آئی؟ توہین رسالت کے واضح ارتکاب اور مکرر اعتراف کے باوجود آسیہ کے بارے میں معمولی سی ذہنی خلش اور نفرت کا بھی پیدا نہ ہونا گورنر کے دل میں دینی غیرت وحمیت کے خاتمے کی دلیل ہے۔ ایسے ہی موقع پر اللہ نے قرآنِ کریم میں یہ تعجب آمیز انداز اختیار کیا ہے": کیا تمہیں تمسخر اور استہزا کے لئے اللہ، اس کی آیات اور اس کا رسول ہی ملتے ہیں۔" (التوبۃ :65)

کیا سلمان تاثیر نے ایک قانون کو ہی ' کالا قانون ' قرار دیا تھا؟: اخبارات میں سیکولر دانشور اور ٹی وی اینکر پرسن بڑی تکرار سے یہ بات دہرا رہے ہیں کہ سلمان تاثیر نے کالا قانون تو محض ایک پاکستانی قانون کو قرار دیا تھا، شریعت اسلامیہ کو تو نعوذ باللہ کالا قانون نہیں کہا تھا۔

سلمان تاثیر کا قانون توہین رسالت کے بارے میں جو رویہ تھا، اور آسیہ مسیح کی صفائی کے بارے میں جو موقف تھا، وہ اخبارت میں تکرار سے شائع ہوتا رہا ہے۔ ان کی رو سے سلمان نہ صرف اس قانون کو ' کالا قانون ' قرار دیتے رہے بلکہ علمائے کرام کے بارے میں بھی یہ کہتے کہ "میں ان کو جوتے کی نوک پر رکھتا ہوں، ان کے فتوؤں کی ذرہ بھر پروا نہیں کرتا اور جو کہتا ہوں، اس پر دلی ایمان رکھتا ہوں۔" سلمان تاثیر نے آسیہ مسیح کی بریت کے بارے میں 20 نومبر کو شیخوپورہ جیل میں کی جانے والی پریس کانفرنس میں توہین رسالت کے قانون کو تکرار کے ساتھ 'ظالمانہ قانون ' بھی قرار دیا۔ ان لغویات کے بارے میں یہ نکتہ طرازی کرنا کہ یہ شریعتِ اسلامیہ کی توہین نہیں، بلکہ چند انسانوں کے بنائے ہوئے قانون کی توہین ہے، جس کی سنگین سزا نہیں ہوسکتی، ایک عذرِ لنگ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اوّل تو یہ پارلیمنٹ کی توہین ہے جس کا موقف جمہوری دعویٰ کے مطابق عوام الناس کی رائے سمجھا جاتا ہے۔ ان بیانات میں عوامی رائے کی تذلیل پائی جاتی ہے۔ یہ اس دستور اور قانون کی بھی توہین ہے جس کی پاسداری اور احترام کا حلف اٹھا کر ہی گورنر جیسے اہم منصب پر فائز ہوا جا سکتا ہے۔ گورنر جو کسی صوبے کا آئینی سربراہ ہے، وہ ملک کے نظام عدل کا محافظ ہوتا ہے۔ اگر وہ اس اہم منصب پر بیٹھ کر پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قوانین اور نظامِ عدل کی توہین شروع کردے تو اس سے عوام میں کیسی قانون پسندی کو رواج ملے گا؟ جہاں تک **295 سی میں درج قانون توہین رسالت** کی بات ہے جو صرف تین سطروں پر مشتمل ہے، تو یہ کوئی انسانی قانون نہیں بلکہ قرآن وسنت کا براہِ

راست تقاضا اور شریعت کے عین مطابق ہے۔ اس کی اصلاح پہلے وفاقی شرعی عدالت کے فاضل جج صاحبان نے ملک بھر کے جید علمائے کرام کی تفصیلی معاونت سے کی، پھر پاکستان کے دونوں ایوانوں نے 1992ء میں متفقہ منظوری دے کر اس پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔

اور حقیقت تو یہ ہے کہ توہین رسالت کے قانون کی تشکیل کیلئے آئینی تحریک قیام پاکستان سے کئی سال قبل مولانا محمد علی جوہر نے شروع کی تھی جب لاہور ہائی کورٹ کے جج کنور دلیپ سنگھ نے ایک قابل مذمت کتاب "رنگیلا رسول" کے ناشر راج پال کو محض یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ اس کی کتاب مروّجہ قانون کی کسی دفعہ کی خلاف ورزی کے زمرے میں نہیں آتی۔ محمد علی جوہر نے یہ موقف اختیار کیا کہ قصور جج کا نہیں، قانون کا ہے اور یوں توہین رسالت کے لیے قانون سازی کا مطالبہ شروع ہوا۔ قانون امتناع توہین رسالت کا متن حسب ذیل ہے اسے پڑھ کر فیصلہ کریں کہ اسے کالا قانون کہنا کسی بھی طرح مناسب ہے:

"جو کوئی الفاظ کے ذریعے خواہ زبانی ہوں یا تحریری یا نقوش کے ذریعہ، یا کسی تہمت، کنایہ یا در پردہ تعریض کے ذریعے بلاواسطہ یا بالواسطہ رسول پاک حضرت محمد ﷺ کے پاک نام کی توہین کرے گا تو اسے موت کی سزا دی جائے گی اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا۔"

مذکورہ بالا قانون اسلامی تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ اس کو 'انسانی قانون' قرار دینا ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص نعوذ باللہ قرآن کریم کی توہین کرنے کے بعد کہے کہ میں نے تو اس کتاب کی توہین کی ہے جسے پرنٹنگ مشین نے چند سو صفحات پر شائع کیا تھا۔

شریعت کے متعدد احکام علما اور فقہائے کرام اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ کیا ان احکام کا محض اس بنا پر انکار کر دیا جائے کہ یہ ہو بہو قرآن یا رسول کریم ﷺ کے اپنے الفاظ نہیں؟ ان حالات میں شریعت اسلامیہ پر عمل کیسے کیا جائے؟ قرآن کے کسی حکم کو جب ہم اپنے الفاظ میں بولیں گے تو کیا محض اس بولنے کی بنا پر وہ قرآنی حکم نہ مانا جائے گا؟

جب قانون توہین رسالت اور شریعت اسلامیہ کے مقصود و مدعا میں معمولی فرق بھی نہیں ہے، اور ماضی میں جو معمولی فرق تھا، اس کو طویل عدالتی جدوجہد کے بعد رفع کر دیا گیا ہے تو پھر یہ دعویٰ کیا حقیقت رکھتا ہے کہ میں تو چند انسانوں کے بنائے ہوئے قانون کی مخالفت کر رہا ہوں؟ پاکستان میں کسی قانون کو شریعت

اسلامیہ کے عین مطابق کرنے کی جو زیادہ سے زیادہ ممکنہ اور معیاری ترین صورت ہے، قانون توہین رسالت ان تمام معیارات کو سو فیصد پورا کرتا ہے۔ اس کے بعد اس کو چند انسانوں کا قانون کہہ کر تختہ تمسخر و مذاق نہیں بنایا جا سکتا بلکہ اسے شریعتِ اسلامیہ کی ہی توہین قرار دیا جائے گا۔

کوئی مسلمان شریعت کے کسی ایک مسلمہ حکم کے انکار سے ہی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، کجا یہ کہ شریعت کے کسی مسلمہ حکم کو 'کالا قانون' کہہ کر اس کی توہین بھی کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ سلمان تاثیر کے ان بیانات پر جو اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں کہ پاکستان کے علما کی اکثریت نے 30 نومبر کو ہی اس کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دے دیا تھا۔

ممتاز قادری کو عدالت سے رجوع کرنا چاہیے تھا قانون اپنے ہاتھ میں کیوں لیا؟: کہا جاتا ہے کہ ممتاز قادری کو اپنے تئیں کوئی سنگین اقدام کرنے سے بہتر تھا کہ وہ قانون کا سہارا لیتا اور اگر کہیں شرعاً کوئی زیادتی ہوئی ہے تو اس پر عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانا چاہیے تھا۔ جہاں تک ممتاز قادری کے سلمان تاثیر کو قتل کرنے کی بات ہے تو اس سلسلے میں ایک سے زیادہ رائے ہو سکتی ہیں، اور شریعت اسلامیہ میں بھی یہی واحد حل نہیں کہ کوئی مسلمان اُٹھ کر سلمان تاثیر کو قتل کر دیتا۔ **تاہم عدالت سے رجوع کر کے آسیہ مسیح یا سلمان تاثیر کو توہین رسالت کی سزا دلوانے کا مطالبہ کرنے والے لوگ بھی خیالوں اور واہموں کی جنت میں رہتے ہیں۔ اوّل تو اُنہیں معلوم ہونا چاہیے کہ پاکستان کی تاریخ میں اس قانون کی تاریخ نفاذ 1992ء سے اَب تک توہین رسالت کے 986 کیس درج ہوئے ہیں، لیکن آج تک کسی کو توہین رسالت کی سزا نہیں ہو سکی۔ دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے پاکستان میں توہین رسالت کا ارتکاب ایسے ملعونوں کو کافرانہ قوتوں کی آنکھ کا تارا بنا دیتا ہے، ان کو خصوصی پروٹوکول دیا جاتا اور کفر کا پورا طائفہ اپنا لاؤ لشکر لے کر اس کا حمایتی بن جاتا ہے۔ ایسے بدبختوں اور انکے خاندانوں کو عیسائی مشنری ادارے اور مغربی این جی اوز اسپانسر کرتے اور ان کے تحفظ کے لئے عالمی قوتوں کی مدد حاصل کرتے ہیں۔** جیسا کہ پوپ کے بیانات، آسیہ کے لئے دعا اور پاکستان پر دباؤ اس ملاقات کا نتیجہ ہیں جو وزیر اقلیتی اُمور شہباز بھٹی نے براہ راست ویٹی کن میں جا کر لابنگ اور جوڑ توڑ کے نقطہ نظر سے کی۔ ہماری عدالتیں بھی آغاز میں تو ان کو سزا دے لیتی ہیں، لیکن جونہی ان پر پریشر پڑتا ہے تو اعلیٰ عدالتوں کیلئے اپنے فیصلوں پر قائم رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ 1994 میں رحمت اور

سلامت مسیح کا کیس بالکل واضح ہے، جن کو سیشن کورٹ سے سزائے موت کے بعد ہائیکورٹ میں اس کی اپیل کے مراحل اس سرعت سے طے کیے گئے اور اس کے فوراً بعد ان کو بیرونِ ملک جرمنی روانہ کر دیا گیا کہ مزید کسی قانونی پیش قدمی کی گنجائش ہی باقی نہ رہی۔

بہتر ہوتا کہ آسیہ بی بی کے معاملے کو سیاسی رنگ دینے کی بجائے اسے افہام و تفہیم سے حل کیا جاتا۔ یہ درست ہے کہ ماضی میں کئی افراد کی طرف سے 295 سی کا غلط استعمال کیا گیا لیکن یہ غلط استعمال صرف مسیحیوں کے خلاف نہیں بلکہ مسلمانوں کے خلاف بھی ہوا۔ بالکل اسی طرح جیسے کئی مرتبہ دفعہ 302 میں بے گناہ افراد پر قتل کا الزام عائد کر دیا جاتا ہے، اسی طرح 295 سی میں بھی بے گناہ افراد پر توہین رسالت کا غلط الزام عائد کرنے کی مثالیں موجود ہیں۔ پچھلے 30 سالوں کے دوران توہین رسالت اور توہین قرآن کے الزام میں 900 سے زائد مقدمات درج ہو چکے ہیں جن میں سے نصف سے زیادہ مقدمات مسلمانوں کے خلاف درج کرائے گئے ہیں، لہٰذا یہ دعویٰ بالکل غلط ہے کہ 295 سی کا نشانہ صرف غیر مسلم بنتے ہیں۔ قانون میں کوئی خامی نہیں البتہ قانون کے غلط استعمال کو روکنے کی ضرورت ہے۔ توہین رسالت کا جھوٹا الزام لگانے والے کیلئے بھی سخت سزا قانون میں موجود ہے۔ جن افراد نے ماضی میں جھوٹے الزامات لگائے اگر ان کے خلاف کارروائی کی جاتی تو 295 سی کا غلط استعمال نہ ہوتا۔

اگر شہباز بھٹی اور سلمان تاثیر اپنی دانست میں آسیہ بی بی کو بے گناہ سمجھتے ہیں تو ان کے پاس دو مناسب راستے موجود تھے۔ اوّل یہ کہ وہ کسی اچھے وکیل کا انتظام کرتے اور آسیہ کے خلاف سزا کو ہائی کورٹ میں چیلنج کر دیتے۔ ایسی کئی مثالیں موجود ہیں ہائی کورٹ نے توہین رسالت کے ملزمان کو رہا کر دیا، کیونکہ ان پر الزام ثابت نہ ہو سکا۔ دوسرا راستہ یہ تھا کہ پنجاب حکومت سمیت ملک کی اہم دینی جماعتوں کی قیادت اور جید علما کو اعتماد میں لے کر ایک مشترکہ تحقیقاتی کمیٹی تشکیل دی جاتی اور کمیٹی کو یہ اختیار دیا جاتا کہ آسیہ بی بی کے بے قصور ثابت ہونے کی صورت میں صدر آصف علی زرداری سے اس کی سزا معاف کرنے کی سفارش کی جاتی۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ شہباز بھٹی اور سلمان تاثیر نے جو کچھ بھی کیا، اس میں اصل مقصد آسیہ بی بی کو بچانا نہیں بلکہ 295 سی کو اُڑانا نظر آتا ہے۔

295 سی کے تحت توہین رسالت کی سزا موت پر نہ صرف بریلوی، دیوبندی، اہل تشیع اور اہل حدیث کے جید

علماء کا اتفاق ہے بلکہ یہ قانون پاکستان کی پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں سے منظور شدہ ہے۔

جہاں تک سلمان تاثیر کی ممکنہ براہِ راست توہین رسالت اور اس کی سزا کا تعلق ہے تو یہ بھی یاد رہے کہ پاکستان کے دستور کی دفعہ 248 کی رو سے صدر، گورنر اور وزراء کو عدالتی باز پرس سے استثنا حاصل ہے جو شریعتِ اسلامیہ کے سراسر خلاف ہے۔ جب اسلام کی مقدس ترین ہستی سید المرسلین محمد مصطفیٰ ﷺ کی محبوب بیٹی سیدہ فاطمہ زہرا اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کو عدالتی باز پرس سے کوئی استثناء حاصل نہیں تو پھر مسلمانوں کا ایک ذیلی حکمران کس بنا پر قانون سے بالاتر ہونے کا استحقاق حاصل کرتا ہے؟

دراصل امتناع توہین رسالت کا حقیقی قانون نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں کی بھی اہم ضرورت ہے۔ اوّل تو اس قانون کے ذریعے نبی کریم ﷺ کی اہانت اور دیگر مذاہب کی توہین ایک قابل سزا جرم بن جاتی ہے۔ ثانیاً، برصغیر کی ماضی قریب کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ اس قانون کی غیر موجوگی یا غیر مؤثر ہونے کے دوران قانون کو ہاتھ میں لے کر گستاخِ رسول کو موت کے گھاٹ اُتارا گیا۔ غازی علم الدین شہید کے ہاتھوں واصل جہنم ہونے والا لاہور کا راج پال ہو یا غازی عبد القیوم کے ہاتھوں واصل جہنم ہونے والا کراچی کا نتھو رام، اُن کا قتل انہی حالات میں ہوا جب یہ قانون موجود نہیں تھا۔ اور سلمان تاثیر کے حالیہ قتل کے پیچھے بھی اس قانون کے غیر مؤثر ہونے کی بنیادی وجہ موجود ہے۔

یہی بات جناب محمد اسمٰعیل قریشی ایڈووکیٹ نے اپنی کتاب میں بھی لکھی ہے ": قانون توہین رسالت ان تمام لوگوں کی زندگی کے تحفظ کی ضمانت ہے، جن کے خلاف فردِ جرم ثابت نہ ہو۔ ورنہ ماضی میں بھی مسلمان سرفروشوں نے ایسے موقعوں پر قانون کو ہاتھ میں لیا اور گستاخانِ رسول ﷺ کو کیفر کردار تک پہنچایا۔ اس قانون کے پاکستان میں نافذ ہونے کا فائدہ یہ ہوگا کہ ایسے ملزم کی سزا کا معاملہ افراد کے ہاتھوں کے بجائے عدالتوں کے دائرہ اختیار میں آ گیا ہے جو تمام حقائق اور شہادتوں کا بغور جائزہ لیکر جرم ثابت ہونے کے بعد ہی کسی ملزم کو مستوجبِ سزا قرار دے گی۔"

جناب قریشی صاحب نے قانون سازی ہو جانے کے بعد اس امر کو پاکستان کے لئے خوش کن قرار دیا ہے لیکن دوسری طرف حقیقت یہ ہے پاکستان میں قانون سے کھلم کھلا مذاق کیا جاتا ہے اور اعلیٰ عدالتوں کے فیصلوں کی سر عام توہین کی جاتی ہے۔ قانون موم کی ایسی ناک ہے جس کو ہر طرف موڑا جا سکتا ہے۔

سلمان تاثیر کا قتل موجودہ عدالتی نظام کے غیر مؤثر ہونے کی دلیل اور عوام کے اس پر بے اعتمادی کا استعارہ ہے۔ اگر پاکستان کے نظامِ عدل میں یہ قوت ہوتی اور وہ شریعتِ اسلامیہ کی رہنمائی پر کامل استوار ہوتا تو واقعتاً آج ممتاز قادری کو قانون کو ہاتھ میں لینے کی ضرورت قطعاً پیش نہ آتی اور اسلامیانِ پاکستان شاتمان رسول کو اس عدالتی نظام سے سزا دلوانے کا ہی راستہ اختیار کرتے۔

غازی علم دین شہید کو بھی قانون سے دادرسی کی کوئی اُمید نہ تھی، جانے سے قبل باپ سے مکالمہ کر کے گیا اور اس کے باپ نے اس کو قتل کی سزا سے خبردار کر دیا تھا، لیکن اس نے حبِ رسول ﷺ میں شاتم رسول کے ایک معاون راج پال کو، جس نے 'رنگیلا رسول' شائع کی تھی، قانون کو ہاتھ میں لیتے ہوئے جہنم واصل کر دیا۔

اور یہ ہماری قومی تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے کہ اس موقع پر لاہور میں علامہ اقبال نے مسلمانانِ برصغیر کی قیادت کی۔ قائداعظم جو اس وقت چوٹی کے وکیل تھے، اُنہیں علم دین شہید کے اقدامِ قتل کے دفاع کیلئے انہوں نے بلایا۔ قائداعظم لاہور ہائیکورٹ میں ایک ہی بار پیش ہوئے اور وہ غازی علم دین کا مقدمہ تھا۔

آج موقع بے موقع 'قائداعظم کے پاکستان' کی بات کی جاتی ہے۔ ان کی مزعومہ روشن خیالی کو دلیل بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ گورنر نے بھی آسیہ کو بے گناہ قرار دینے والی پریس کانفرنس میں تین بار قائداعظم کا حوالہ دے کر پاکستان کو روشن خیال بنانے کی بات کی۔ تحریکِ پاکستان کی قیادت بشمول قائداعظم کا اس معاملے میں موقف بالکل واضح ہے، توہین رسالت جیسے حساس مسئلہ پر قانون کو ہاتھ میں لینا تو کجا، جبکہ اس پر کوئی قانون ہی موجود نہ تھا، قتل کے مجرم کا پرزور دفاع قائد کے دلی جذبات کا بہترین عکاس ہے۔ سب جانتے ہیں کہ جناح ایسے مقدمہ کی وکالت کی کبھی حامی نہ بھرتے جس سے وہ متفق نہ ہوتے۔

علامہ اقبال نے اُنہیں علم دین کے دفاع کی دعوت بھی دی اور اس واقعے کے بعد تحریکِ پاکستان کی قیادت کی دعوت بھی دی۔ قیامِ پاکستان سے 18 برس قبل یہ واقعہ اس قومی رجحان اور ضرورت کی بھی بھرپور عکاسی کرتا ہے جس کیلئے پاکستان کی دھرتی حاصل کی گئی۔

علم دین شہید کے مقدمہ کے چند سال بعد، مارچ 1934ء میں کراچی میں بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا، جس میں نتھو رام نامی ہندو کو 'ہسٹری آف اسلام' میں توہین رسالت کے ارتکاب پر ایک غیرت مند مسلم نوجوان غازی عبدالقیوم نے عین کمرۂ عدالت میں جج کے سامنے ذبح کر دیا تھا۔ یہ واقعہ بھی بڑا ایمان افروز ہے جس

میں قانون کو ہاتھ میں لیا گیا تھا۔ اس موقعہ پر بھی اہل کراچی نے عبدالقیوم کی حمایت میں ایک عظیم الشان جلوس نکالا اور کراچی کے عمائدین لاہور میں علامہ اقبال کے پاس حاضر ہوئے اور اُن سے کہا کہ وائسرائے ہند سے آپ عبدالقیوم کی سزا میں تخفیف کا مطالبہ کریں۔ علامہ اقبال نے پوچھا کہ " کیا عبدالقیوم گھبرا گیا اور اس کے قدم ڈگمگا گئے ہیں؟ اس کو کہو کہ میں اس کو جنت سے چند قدم کے فاصلے پر دیکھ رہا ہوں۔" کراچی کے لوگوں کے مکرر مطالبے پر علامہ اقبال نے ایک تاریخ ساز رباعی کہی جو 'ضربِ کلیم' میں 'لاہور و کراچی' کے نام سے موجود ہے:

نظر اللہ پہ رکھتا ہے مسلمان غیور
موت کیا شے ہے، فقط عالم معنی کا سفر
ان شہیدوں کی دیت اہل کلیسا سے نہ مانگ
قدر و قیمت میں ہے خون جن کا حرم سے بڑھ کر

ہماری عدلیہ کو ممتاز قادری کے مقدمہ کا فیصلہ کرتے ہوئے، مسلمانان برصغیر کے جذبہ ایمانی، غیرت ملی اور بانیانِ پاکستان کی اس تاریخ ساز رہنمائی کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے۔ اور یاد رہے کہ <u>**غازی علم دین** شہید کے جنازے میں میت کے لیے **چارپائی کا بندوبست سلمان تاثیر کے والد ڈاکٹر ایم ڈی تاثیر** نے کیا تھا۔</u> اگر برصغیر میں توہین رسالت کا قانون موجود ہوتا تو غازی علم دین کی طرف سے راج پال کو قتل نہ کیا جاتا۔ اگر کوئی اس قانون کو بدلنے کی کوشش کرے گا تو وہ پاکستان میں فساد پھیلانے کا باعث بنے گا، لہٰذا آسیہ بی بی کے نام پر اس قانون کو ٹارگٹ نہ کیا جائے۔ آسیہ بی بی اگر واقعی بے گناہ ہے تو اس کی رہائی کے لیے اعلیٰ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا جائے۔

<u>کیا سلمان تاثیر کے جرم کی سنگینی اتنی شدید تھی کہ اسے قتل کر دیا جاتا؟</u>: سلمان تاثیر کی سزائے قتل پر شریعت اسلامیہ میں ایک سے زیادہ آرا ہیں تاہم اسلام جو جدید نظام ہائے عدل سے بڑھ کر ایک ایسا بھرپور اور مکمل عادلانہ نظام ہے جس کی قانونی جزئیات اور دقیق تصورات عالمانہ گہرائی اور گیرائی سے مالا مال ہیں، اس میں جرم کی سزا کا تعین جرم کی نوعیت کے عین مطابق کیا جاتا ہے، نیز اس میں کسی جرم کے ردّعمل میں ہونے والے جرم کی سزا کا تعین پہلے جرم کی روشنی میں ہوتا ہے۔

سلمان تاثیر نے توہین رسالت جیسے حساس شرعی قانون کو کالا قانون قرار دیا، کھلم کھلا یہ ہفواتی دعویٰ کیا، ایک انتہائی ذمہ دار عہدے پر فائز ہوتے ہوئے کیا، اور توہین رسالت کی مجرمہ کی اپنے پورے کنبہ کے ساتھ تائید کی، اس کو معصوم قرار دیتے ہوئے اس سے اظہارِ ہمدردی کیا، اس کے جرم کو اپنے ذمہ لے لیا اور اس کو معافی کی ضمانت دی۔ جس کا اس کے سوا کیا مطلب ہے کہ اس نے توہین رسالت کے مجرموں کی حوصلہ افزائی کر کے اُنہیں قانونی باز پرس اور گرفت سے بالاتر کرنے کی کوشش کی۔ ان حقائق کو دیکھا جائے تو سلمان تاثیر کا یہ جرم محض شریعت کے کسی حکم کے انکار تک محدود نہ تھا، بلکہ شریعتِ اسلامیہ کی اہم ترین شخصیت کی توہین کی تائید، اس تائید پر اصرار اور عملاً اس کے مرتکبوں کی حمایت تھا اور ظاہر ہے کہ یہ سب کوئی چھوٹے جرائم نہیں!

احادیث میں عکل اور عرینہ کے بادیہ نشینوں کا قصہ آتا ہے جو نبی کریم ﷺ کے پاس اسلام سیکھنے کے لئے آئے۔ جب مدینہ کی آب و ہوا ان کو راس نہ آئی تو آپ نے اپنے چرواہے کے ساتھ اُنہیں بیت المال کے اونٹوں کا دودھ پینے کی تلقین کی۔ مدینہ کے مضافات میں کچھ دن رہنے، کے بعد جب یہ لوگ صحت یاب ہوگئے تو جاتے ہوئے آپ ﷺ کے چرواہے کو قتل کر دیا اور بیت المال، کے اونٹ ہنکا کر لے گئے۔ آپ ﷺ کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے صحابہ کو اُنہیں پکڑنے کو بھیجا اور گرفتار ہونے کے بعد رحمۃ للعالمین ﷺ نے اُنہیں دردناک سزا سنائی، جو اسلامی تاریخ کی ایک سنگین سزا ہے:

(1)۔ اس جرم کے مرتکبین کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمت سے کاٹ دیے جائیں، اور ان کو داغ کر خون کو تھمنے نہ دیا جائے۔ (2)۔ ان کی آنکھوں میں آگ پر تپائی ہوئی سلاخیں پھیری جائیں، جبکہ بعض احادیث میں آتا ہے کہ گرم سلاخوں سے اُن کی آنکھیں پھوڑ دی جائیں۔ (3)۔ تپتی ریت پر ان کو تڑپنے کے لئے چھوڑ دیا جائے۔ (4)۔ ان کی پیاس کی شدت یہ تھی کہ زمین کو کاٹتے اور چاٹتے تھے، لیکن ان کو پانی نہ دیا گیا اور وہ تڑپ تڑپ کر مر گئے۔

عکل اور عرینہ کے لوگوں کی یہ دردناک سزا محض ارتداد کی نہیں بلکہ اس میں احسان فراموشی، مسلم بیت المال کے نگران کا قتل، بیت المال کے اونٹوں کو ہنکا کر لے جانا وغیرہ تمام جرائم کی سزا شامل تھی جو رحمۃ للعالمین ﷺ کی عدالت سے صادر ہوئی۔ یہ واقعہ درجنوں احادیث میں بیان ہوا اور سنداً متواتر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جرم کی سنگینی کی بنا پر اس کی شرعی سزا میں بھی شدت پیدا ہو جاتی ہے۔

شریعتِ اسلامیہ کا ایک معروف اُصول یہ بھی ہے جو اس فرمانِ نبوی میں بیان ہوا ہے": میری ساری اُمت کو معافی دی جاسکتی ہے مگر کھلم کھلا گناہ کرنے والے کو نہیں۔" (المعجم الصغیر للطبرانی 2/ 237)

چوری چھپے زنا کاری کرنے والے کی بہ نسبت اس زناکار کا جرم زیادہ سنگین ہے جو عوام الناس میں کھلم کھلا اور ڈنکے کی چوٹ پر اس فعلِ بد کا ارتکاب کرتا ہے۔ چوری کی سزا قطع ید ہے، لیکن دھونس اور دہشت گردی سے مال چرانے والے پر اسلام نے حرابہ کی سنگین تر سزا عائد کی ہے۔ مزید برآں اہم ذمہ داری پر فائز شخص کا جرم بھی بڑا ہوتا ہے۔ سلمان تاثیر کے قتل نے بہت سے تلخ حقائق کو ظاہر کیا ہے۔ قادری نے صرف اس کو قتل نہیں کیا بلکہ اپنے بھرپور غم وغصہ کا اظہار اس پر 27 گولیوں کا برسٹ مار کر کیا۔ سلمان کے محافظوں نے اس کو نہ روک کر اور اقدامِ قتل کے بعد اس پر کوئی جارحیت نہ کر کے بہت سے پیغامات دیے ہیں۔ کسی دفاعی یا جوابی گولی کے بغیر ممتاز قادری کو گرفتار کرنے میں بہت سی عبرتیں پوشیدہ ہیں۔ کیا ممتاز قادری کی کوئی ذاتی دشمنی گورنر سے تھی جس کے لئے اس نے یہ بے دردانہ رویہ اختیار کیا۔ ان محافظوں کی اس سے وہ کونسی دلی ہمدردی تھی کہ اُنہوں نے اس پر معمولی سی جارحیت بھی نہ کی اور محافظوں کی جانب سے کسی گولی یا معمولی مزاحمت کا بھی سامنا نہ کرنا پڑا۔ وقوعہ قتل کا یہ نقشہ قتل سلمان تاثیر کے جرم اور اس کے بارے میں رائے عامہ کو ظاہر کرتا ہے۔

سلمان تاثیر کا جنازہ نہ پڑھنے کے بارے میں علمائے کرام میں پائی جانے والی شدید تشویش بھی اسی عمومی تاثر کو ظاہر کرتی ہے جس میں سلمان تاثیر کا جرم اگر براہِ راست اہانت رسول نہیں تو توہین رسالت مآب ﷺ کی معاونت، سرپرستی اور تائید ضرور تھا جو انتہائی سنگین جرائم ہیں۔ ذاتِ رسالت سے مسلمان کا تعلق چونکہ قانونی سے زیادہ جذباتی محبت کا متقاضی ہے، اس بنا پر علماء کرام سلمان تاثیر کے جنازے سے کنارہ کش رہنے کو ہی ترجیح دیتے رہے۔

ممتاز قادری کو ملنے والی اپنائیت بھی مسلمانوں کے نبی کریم ﷺ سے والہانہ عقیدت اور محبت کا ایک پہلو ہے کہ وہ ایسے کسی بھی شخص سے جو تقدیس رسالت کی حفاظت کیلئے جان تک قربان کر دینے کو تیار ہو، ایک گہری محبت اور اپنائیت رکھتے ہیں۔ سلمان تاثیر مقتول ہونے کے باوجود انسانی ہمدردی سے محروم ہوا اور ممتاز قادری قانون کو ہاتھ میں لینے کے باوجود محبت کا حصہ وصول کر رہا ہے، یہ مسلمانانِ پاکستان کے اپنے نبی مکرم ﷺ سے گہری وارفتگی اور دلی محبت کا آئینہ ہے۔

<u>کیاممتاز قادری کی سزائے موت قانون کے مطابق ہے؟</u>: سابق گورنر پنجاب سلمان تاثیر کے قتل کیس میں خصوصی عدالت کی جانب سے ممتاز قادری کو دی جانے والی سزائے موت کے خلاف ملک بھر میں دینی جماعتیں سراپا احتجاج ہیں۔ممتاز قادری کا مقدمہ غازی علم دین شہید کیس کی طرح ہوگیا ہے۔ یہ کیس جو اشتعال میں آ کر قتل کرنے کا تھا، دفعہ C-302 کے تحت آتا ہے کیا اس پر سزائے موت ہوسکتی ہے؟

اس حوالے سے سابق صدر لاہور ہائی کورٹ بار اور راولپنڈی بار کے صدر توفیق آصف اور معروف قانون دان حشمت حبیب سے گفتگو کی گئی تو توفیق آصف ایڈووکیٹ کا کہنا ہے کہ یہ قدمہ C-302 کے تحت چلایا جانا چاہئے تھا۔ اس کے دلائل بڑے واضح ہیں۔ عدالت نے سزا سنانے کے لئے جو دلائل دیئے ہیں وہ انصاف کا تقاضا پورا نہیں کرتے کیونکہ ممتاز قادری نے یہ قتل اشتعال میں آ کر کیا ہے اور اس میں سزائے موت قانون کے مطابق نہیں ہے۔ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ پاکستان کے وکلاء یہ تو نہیں کہہ رہے ہیں کہ یہ کسی طرح بریت کا مقدمہ تھا۔ یقینی طور پر یہ مقدمہ سزا کا ہی تھا اور اس جرم کی سزا عمر قید ہی ہے۔ موت کی سزا اس جرم کی سزا نہیں ہے جو ممتاز قادری نے کیا۔ یعنی کوئی بھی ایسا اشتعال جس میں انسان اپنے حواس کھو بیٹھے تو ایسی حالت میں بہت سی چیزیں اس کے اپنے سیلف کنٹرول سے باہر ہوجاتی ہیں۔ اس حالت میں جب کوئی شخص کوئی ایسا کام کرتا ہے تو وہ صرف اشتعال کے تحت ہوتا ہے۔ اس میں کوئی ارادہ شامل نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے دفعہ C-302 کے تحت سزا دی جاتی ہے۔ قاتل کو اس لئے رعایت دی جاتی ہے کہ اگر وہ شخص قتل کرتا ہے تو یہ قتل اشتعال کے تحت آتا ہے جب بھی غیرت کی وجہ سے کوئی قتل ہوتا ہے اس میں اشتعال کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں جس میں وہ اپنے قابو میں نہیں ہوتا۔ ممتاز قادری پر دہشت گردی کا الزام بالکل غلط ہے۔ دہشت گردی کا جرم فساد فی الارض کے زمرے میں آتا ہے۔ ممتاز قادری فساد فی الارض کا مرتکب تو نہیں ہوا۔ اس الزام میں اسے بالکل بھی سزا نہیں ہونی چاہئے تھی۔ وہ محض ایک شخص کے قتل کا مرتکب ہوا ہے۔ لیکن اس پر دہشت گردی کا مقدمہ بنادیا گیا۔ اگرچہ مثال دینا کچھ عجیب سا لگتا ہے لیکن حکومت کی جانب سے امتیاز برتا گیا ہے۔ امریکی جاسوس ریمنڈ ڈیوس نے بازار میں سرعام تین افراد کو قتل کیا۔ لیکن اس کے خلاف دہشت گردی کا مقدمہ نہیں بننے دیا گیا۔ یہ تو پراسیکوٹر کا کام ہے کہ وہ اس پر بات کرے کہ اس مقدمے میں دہشت گردی کی دفعہ لگ سکتی ہے یا نہیں۔ جہاں تک دیت کا تعلق ہے اس کے بارے میں

قانون تو یہ ہے کہ جس مقدمے میں انسداد دہشت گردی کے قانون اے ٹی اے کا سیکشن 7 لگا ہو تو وہاں پر مقدمہ فساد فی الارض کے ضمن میں لایا جائے پھر اس کی دیت نہیں ہوتی۔ اس میں تصفیہ نہیں ہوتا۔ <u>ریمنڈ ڈیوس کیس میں مقتولین کے وکلاء ملزم کے خلاف انسداد دہشت گردی کے سیکشن 7 کے تحت مقدمہ درج کرانے کے لئے کہتے رہے۔ اس کے لئے انہوں نے ہائی کورٹ میں پٹیشن بھی دائر کی۔ اگر اس مقدمے میں دہشت گردی کی دفعہ لگ جاتی تو پھر تصفیہ نہیں ہوسکتا تھا۔ لہذا حکومت کی نیت ابتدا سے ہی درست نہیں تھی۔ ریمنڈ ڈیوس کو تو ویسے ہی چھڑانا تھا، یہ کوئی ڈھکی چھپی بات تو نہیں ہے۔ لیکن ممتاز قادری کے خلاف دہشت گردی کی دفعہ لگادی گئی تاکہ سمجھوتہ نہ ہوسکے۔</u>

سلمان تاثیر قتل کیس میں ممتاز قادری کو دی جانے والی سزائے موت کے حوالے سے ممتاز وکیل حشمت حبیب ایڈووکیٹ کا کہنا ہے کہ جتنے بھی فوجداری مقدمات ہوتے ہیں ان میں ضابطہ فوجداری کے تحت جو چالان پیش کیا جاتا ہے، اس کے بارے میں عدالت کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ چالان قانون کے مطابق ہے یا نہیں۔ جو الزامات لگائے گئے ہیں ان کو ثابت کرنے کے لئے شہادت ہے یا نہیں۔ اگر عدالت یہ دیکھے کہ چالان قانون کے مطابق نہیں ہے اور اس میں صحیح طور پر شہادت نہیں دی گئی ہے تو عدالت اس مقدمے کو خارج کرسکتی ہے۔ دوبارہ دائر کرنے کو کہہ سکتی ہے۔ فائل اٹھا کر پھینک سکتی ہے۔ اسی طرح انسداد دہشت گردی کی عدالت اس وقت کسی مقدمہ کی سماعت کرسکتی ہے کہ کسی عام فعل میں دہشت گردی کا پہلو پایا جائے۔ دہشت گردی کے فعل کا مطلب یہ ہے کہ ایسا کام جس سے معاشرے میں عدم تحفظ پیدا ہوجائے، ہیجان پیدا ہوجائے، خوف وہراس پیدا ہوجائے۔ یہ عدالت کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ جب اس کے پاس چالان کی فائل آئے تو وہ دیکھے کہ آیا کوئی ایسی شہادت ہے جس کی بناء پر یہ الزام لگایا جاسکتا ہے یا نہیں یا دہشت پھیلی ہے۔ اس کے بعد جج یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اس درخواست کی سماعت کی جاسکتی ہے یہ تو قانون ہے اس کے تقاضے ہیں۔ لیکن معمول یہ ہے کہ انسداد دہشت گردی کی عدالت میں ایسا کوئی بھی چالان جاتا ہے جس پر اے ٹی اے کی سیکشن 7 کے تحت کیس پیش کیا جارہا ہوتا ہے تو وہ اس کی سماعت شروع کردیتے ہیں۔ لال مسجد کے معاملے میں بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ احتجاج کرنے والے 450 سے 500 افرد کے خلاف اے ٹی اے 7 کے تحت چالان کاٹ دیا گیا تھا۔ میں نے یہ نکتہ اٹھایا تھا کہ اے ٹی اے 7 کو لاؤڈ اسپیکر کے غلط

استعمال اور پمفلٹ پر عائد کردیا جاتا ہے۔ یہ اے ٹی اے 7 کا ناجائز استعمال ہے۔ سپریم کورٹ نے اس بات کا نوٹس لیا تھا اور ریمارکس دیئے تھے اور دہشت گردی کی عدالت سے 450 مقدمات ختم ہوگئے تھے۔

لہذا جب سلمان تاثیر قتل کیس انسداد دہشت گردی کی عدالت میں پہنچا تو یہ عدالت کی ذمہ داری تھی کہ وہ دیکھتی کہ اس شخص نے ابتدا میں ہی اعتراف کرلیا ہے کہ میں نے یہ قتل کیا ہے اور ان حالات میں اسلامی جذبے کے تحت قتل کیا ہے۔ اس کے خیال میں یہ شخص توہین رسالت کا مرتکب ہوا تھا۔ اس لئے میں جذبات پر قابو نہیں پاسکا۔ عدالت نے یہ نہیں دیکھا کہ ممتاز قادری کے اس اقدام کے بعد ملک کی اکثریت میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ لوگوں نے ممتاز قادری پر پھول برسائے، اسے ہار پہنائے گئے، مٹھائیاں تقسیم کی گئیں۔ معاشرے میں اطمینان وسکون کی لہر دوڑ گئی اور ممتاز قادری کے حق میں نعرے لگے۔ لہذا ممتاز قادری پر دہشت گردی کا الزام ثابت نہیں ہوتا تھا۔ عدالت کو خود چاہئے تھا کہ وہ اس مقدمے کو واپس کردیتی کہ یہ مقدمہ انسداد دہشت گردی کے دائرۂ اختیار میں نہیں آتا۔ اس مقدمے میں ممتاز قادری کے وکلاء نے بھی درخواست پیش نہیں کی۔ ان سے بھی غلطی ہوئی ہے۔ اگر جج کہتا کہ اس جرم پر انسداد دہشت گردی کا قانون لاگو ہوتا ہے تو پھر وکلاء ہائی کورٹ میں بھی جاسکتے تھے اور سپریم کورٹ سے بھی رجوع کرسکتے تھے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ **جج نے جو فیصلہ دیا اس میں اس نے خود کہا ہے کہ اسلامی قوانین اور اسلام کے مطابق آپ کا فعل درست ہے لیکن میں آپ کو ملکی قانون کے تحت سزا دیتا ہوں۔** دوسری بات یہ ہے کہ جس مقدمے میں کوئی شخص ابتدا میں اعتراف کرلیتا ہے یا وضاحت کردیتا ہے کہ اس نے کس وجہ سے یہ قتل کیا، وہ اعتراف ہی اس کے لئے سزا کے تعین کا سبب بنتا ہے۔ جیسے غیرت کا مقدمہ جس میں ماں، بیٹی، بہن یا بیوی کو میں نے اس لئے قتل کیا کہ میں نے ان کو قابل اعتراض حالت میں دیکھا تھا۔ ایسے مقدمات میں سزائے موت نہیں ہوتی بلکہ عمر قید کی سزائیں ہوتی ہیں۔ سات سال، 12 سال وغیرہ۔ اسی طرح ممتاز قادری کا مقدمہ فوری اشتعال کا کیس تھا۔ اس کے لئے کوئی خاص منصوبہ بندی نہیں کی نہ بازار سے پستول خرید کر لایا۔ اس کے ہاتھ میں بندوق تھی اس نے چلادی۔ آج تک پاکستان میں توہین رسالت کے مقدمے میں کسی مجرم کو سزائے موت نہیں ملی، کیونکہ بین الاقوامی دباؤ کے سامنے حکومتیں بے بس ہوجاتی ہیں۔ سلمان تاثیر نے ناموس رسالت ﷺ کے قانون کو کالا قانون کہا تھا۔ اس بناء پر ممتاز قادری نے قتل کردیا، جواز موجود تھا۔ اگر سلمان

تاثیر کے ورثاء معاف بھی کردیں تو اے ٹی اے 7 کی سزا برقرار رہے گی اس سزا کو صرف عدالت ہی ختم کرسکتی ہے، یہ دیت کا معاملہ ہی نہیں ہے۔

اس معاملے میں حبیب الوہاب الخیری ایڈووکیٹ کہتے ہیں کہ ممتاز قادری نے اصولوں کو قربان نہیں کیا۔ اس نے تسلیم کیا کہ ہاں میں نے یہ کام کیا۔ اگر ہمارے یہاں اسلامی قانون ہوتا تو ایسے واقعات اور فیصلے نہیں ہوتے لیکن حکمران ناموس رسالت ﷺ کا پاس نہیں رکھتے۔ وکیل کچھ بھی کرلیں، اگر حکومت چاہے گی تو ممتاز قادری کو سزا ضرور دے گی۔ ممتاز قادری نے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ اس نے سلمان تاثیر کو قتل کیا ہے۔ یہ اس کا اضطراری فعل تھا۔ فیصلہ اس کی روشنی میں ہونا چاہئے تھا۔ اس پر دہشت گردی کی دفعہ 7 لاگو نہیں ہوتی۔ حکومت کو یہ سوچنا ہوگا کہ وہ کب تک توہین رسالت ﷺ کے قانون کی خلاف ورزی کرتی رہے گی۔ جب تک وہ ایسا کرتی رہے گی، ممتاز قادری پیدا ہوتے رہیں گے۔

نبی کریم ﷺ معاف کرنے والے رحمت للعالمین ہیں! پھر ان کے نام پر سخت سزا کیوں؟

کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کی سیرت سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے اوپر ہونے والے ظلم کو معاف کردیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ پر بہت طعنہ زنی کی جاتی رہی، آپ ﷺ کو ایذا دی گئی اور طائف کی وادی میں آپ ﷺ پر پتھراؤ تک کیا گیا حتیٰ کہ خون مبارک آپ ﷺ کے جوتوں میں جم گیا، آپ ﷺ نے تب بھی کسی کو سزا نہ دی تو پھر ایسے رحمۃ للعالمین اور محسن انسانیت ﷺ سے توہین رسالت کی اتنی سنگین سزا کا صدور بڑا عجیب معلوم ہوتا ہے۔

آپ ﷺ کی سیرتِ مطہرہ کا یہ پہلو بڑا ہی واضح ہے جس کا اعتراف مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں نے بھی کیا ہے، تاہم قرآن وسنت کی نصوص اور صحابہ کرام کے واقعات سے یہ امر ایک مسلمہ اُصول کے طور پر ثابت شدہ ہے کہ نہ صرف شانِ رسالت ﷺ میں گستاخی کی سزا قتل ہی ہے بلکہ نبی کریم ﷺ نے خود مدینہ منورہ میں اپنے بہت سے گستاخان کو قتل کرنے کا براہِ راست حکم صادر فرمایا۔ اور صحابہ کرام کی مجلس میں اس دشنام طرازی کے جواب میں اُن کو قتل کرنے کی دعوتِ عام دی۔ ایسے جانثار صحابہ کی آپ ﷺ نے حوصلہ افزائی کی اور اُن کی مدد کے لئے دعا بھی فرمائی جیسا کہ خالد بن ولید، حضرت زبیر، عمیر بن عدی اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم کے واقعات احادیث میں موجود ہیں کہ ان کے ہاتھوں قتل ہونے والے گستاخِ رسول ﷺ کو قتل

کرنے کے لئے آپ ﷺ نے کھلی دعوت دی۔ جہاں تک سیرتِ نبوی کے اس پہلو کا تعلق ہے جس میں آپ ﷺ نے اپنے دشمنوں کو معاف فرمایا، تو اس کی وضاحت یہ ہے:

1۔اس سلسلے میں آپ ﷺ کو شخصی اذیت دینے والے اور آپ ﷺ کی رسالت پر زبان طعن دراز کرنے والوں میں فرق کرنا ہوگا۔ جن لوگوں نے آپ ﷺ کی ذات مبارکہ یعنی محمد بن عبداللہ کو اذیت دی، تو آپ ﷺ نے اپنی وسیع تر رحمت کی بناپر ان کو معاف فرمادیا، لیکن جو لوگ آپ ﷺ کے منصب رسالت پر حرف گیری کرتے تھے، اس کو طعن وتشنیع کا نشانہ بناتے تھے، انہیں آپ ﷺ نے معاف نہیں کیا کیونکہ منصبِ رسالت میں یہ گستاخی دراصل اللہ تعالیٰ کی ذات پر زبان درازی ہے، جیسا کہ قرآنِ کریم میں بیسیوں مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنا اور اپنے رسول مکرم کا تذکرہ یکجا کیا ہے۔ آپ ﷺ کی ذات کے سلسلے میں زیادتی کی معافی بھی آپ ﷺ خود ہی دے سکتے ہیں آپ کا کوئی اُمتی ایسا نہیں کر سکتا۔

2۔تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے لوگ جو منصب نبوت میں نقب لگانے والے تھے، ان کا عبرت ناک انجام ہوا۔ ان لوگوں میں ابولہب کے ذکر بد کے لئے ایک پوری سورت مخصوص کر کے اُسے نمونۂ عبرت بنادیا گیا، ابوجہل بدر میں مارا گیا، عاص بن وائل اور ولید بن مغیرہ، اسود بن عبدیغوث، اسود بن مطلب، حارث بن عبطل سہمی اور عاص بن وائل یہ تمام نام اس انجام کا مظہر ہیں جو اللہ رب العزت ایسے لوگوں کا کیا کرتا ہے۔ جب طائف کی وادی پر محسن انسانیت ﷺ کو پتھر مارے گئے اور آپ کے قدم مبارک سے خون جاری ہو گیا تو جبریل امین نے آسمان سے نازل ہو کر کہا کہ اگر آپ ﷺ اجازت دیں تو ان پر میں طائف کے پہاڑوں کو اُلٹا دوں۔ جواب میں آپ ﷺ نے تاریخ ساز جملہ بول کر اپنی رحمت للعالمینی کو ثابت کر دیا " : طائف کے بدبختوں نے آپ ﷺ پر پتھراؤ شروع کر دیا اور آپ ﷺ جواب میں فرماتے جاتے :الٰہی !میری قوم کو ہدایت عطا فرما، یہ جانتے نہیں ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر: ج /6/ص 571)

3۔بعض آیاتِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ مسلمان اس وقت خود ایسے شاتمانِ رسالت ﷺ کی سرکوبی کی قوت نہ رکھتے تھے، حتیٰ کہ بیت اللہ میں نماز سرِعام پڑھنے سے بھی بعض اوقات گریز کرنا پڑتا تھا، سو اس دور میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس اذیت پر صبر و تحمل کی تلقین کی اور نبی کریم ﷺ کو خود دلاسہ دیا کہ: (1) ہمیں معلوم ہے کہ تمہیں رنج دیتی ہے وہ بات جو یہ کہہ رہے ہیں تو وہ تمہیں نہیں جھٹلاتے بلکہ ظالم اللہ کی

آیتوں سے انکار کرتے ہیں (الانعام: آیت:33)۔(2) اور بے شک ان ہنسنے والوں پر ہم تمہیں کفایت کرتے ہیں۔ (الحجر: آیت: 95)۔(3) اور بیشک ہمیں معلوم ہے کہ ان کی باتوں سے تم تنگ دل ہوتے ہو۔ (الحجر: آیت: 97)۔(4) پس عنقریب آپ (بھی) دیکھ لیں گے اور وہ (بھی) دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کون دیوانہ ہے۔ (القلم۔آیت، 5-6)

سیدنا اُسامہ بن زید روایت کرتے ہیں کہ: " نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بناپر ان کے بارے میں درگذر سے کام لیتے تھے حتیٰ کہ اللہ نے آپ ﷺ کو ان کے بارے اجازت دے دی۔ پھر جب آپ ﷺ نے غزوۂ بدر لڑا اور اللہ تعالیٰ نے اس غزوے میں قریش کے جن کافر سرداروں کو قتل کرنا تھا، قتل کرادیا۔" (صحیح بخاری۔حدیث نمبر 5739)

گستاخانِ رسول ﷺ کو نظر انداز کرنے کا دور مدینہ منورہ کے ابتدائی سالوں تک رہا اور اللہ تعالیٰ نے شاتمانِ رسالت ﷺ کو خود کیفر کردار تک پہنچایا اور اس وقت تک مسلمانوں کو اس دشنام طرازی کا ردِ عمل پیش کرنے کی اجازت نہ تھی۔ مزید برآں نبی کریم ﷺ اپنی رحمت و شفقت کی بناپر اپنا شخصی حق معاف تو فرمادیتے تھے، لیکن شانِ رسالت ﷺ میں زیادتی پر معافی کا حق کسی کو بھی حاصل نہیں۔

کیا توہینِ رسالت کی سزا غیر مسلم کو بھی دی جائے گی؟ : میڈیا میں یہ سوال بھی تکرار سے اُٹھایا جاتا رہا ہے کہ اگر یہ اسلامی قانون ہے تو پھر اس کو صرف مسلمانوں پر ہی نافذ ہونا چاہئے۔ غیر مسلم اور مسیحیوں پر اس قانون کے نفاذ کا کیا مطلب ہے؟ اس سوال کے بھی دو مختلف تناظر میں دو علیحدہ جوابات ہیں:

(1) اسلامی پہلو سے 1: یہ بات درست ہے کہ یہ اسلامی قانون ہے لیکن اسلام کا یہ قانون مسلمانوں سمیت تمام غیر مسلموں کو شامل ہے اسلام کی رو سے جو شخص بھی توہین رسالت کا مرتکب ہو اس کو یہ سزا دی جائے گی جیسا کہ: 1۔ نبی کریم ﷺ نے خود کعب بن اشرف یہودی کو اپنی نگرانی میں قتل کرایا۔

2۔ابورافع سلام بن الحقیق یہودی کو اپنے حکم سے قتل کرایا۔ آپ ﷺ نے عبداللہ بن عتیک کو اس یہودی کو قتل کرنے کی مہم پر مامور کیا۔

3۔حضرت زبیر کو آپ ﷺ نے ایک مشرک شاتم رسول کو قتل کرنے بھیجا۔

4۔عمیر بن اُمیہ نے اپنی گستاخ رسول مشرک بہن کو قتل کیا اور آپ ﷺ نے اس مشرکہ کا خون رائیگاں قرار دیا۔

5۔بنوخطمہ کی گستاخ عورت عصما بنتِ مروان کو عمیر بن عدی خطمی نے قتل کر دیا اور نبی کریم ﷺ نے اس فعل پر عمیر بن عدی کی تحسین کی۔

6۔دورِ نبوی میں ایک یہودیہ نبی کریم ﷺ کو دشنام کیا کرتی اور گستاخی کرتی تھی۔ایک مسلمان نے گلا گھونٹ کر اس کو قتل کر دیا تو آپ نے اُس کا خون رائیگاں قرار دیا۔

7۔سیدنا عمر بن خطاب نے اپنے دورِ خلافت میں بحرین کے بشپ کی گستاخی پر اس کے قتل پر اظہار اطمینان کیا۔

8۔مکہ مکرمہ اور مدینہ کے ابتدائی سالوں میں دشنام طرازی کرنے والے مشرکین کو اللہ تعالیٰ نے خود نشانِ عبرت بنا کر موت سے ہم کنار کیا۔

ان تمام صورتوں میں کسی کے ذہن میں یہ شبہ تک نہیں اُبھرا کہ اسلام کی رو سے غیر مسلموں کو توہین رسالت پر قتل کرنا درست نہیں، تا آنکہ مملکت اسلامیہ پاکستان کے مغرب زدہ دانشوروں کی عقل ومنطق کو یہ بات کھٹکی اور اُنہوں نے اس کے لئے حیلے بہانے تراشنے شروع کر دیے۔

شریعت کے اس حکم کی وجہ یہ ہے کہ 2: اسلام، جو اللہ کا آخری اور مکمل دین ہے اپنے بھر پور استحقاق کے باوجود اپنے ماننے والوں کو بھی یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ غیر مسلموں کے معبودوں اور ان کی عبادت گاہوں کو مسمار کریں اسلام کا یہ اُصول اس آیتِ کریمہ میں موجود ہے: اور انہیں گالی مت دو جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے زیادتی اور جہالت سے (الانعام: آیت 108)

جب اسلام اس ضابطہ اخلاق کو اپنے ماننے والوں پر عائد کرتا ہے تو پھر اسلام اس کا حق رکھتا ہے کہ دیگر مذاہبِ باطلہ کے لوگ بھی اسلام کی مقدس شخصیات اور مقامات وشعائر کا پورا احترام کریں۔

3۔اسلام نے صرف اس کو حرام قرار نہیں دیا بلکہ مذاہب سماویہ کی مقدس شخصیات کی توہین پر سنگین سزا بھی عائد کی۔توہین رسالت کے بارے میں یہ شرعی حکم صرف رسالت مآب کے لئے نہیں بلکہ تمام سابقہ انبیائے کرام کی توہین کے لئے بھی یہی سزا ہے۔جیسا کہ حضرت عمر بن خطاب کا فرمان ہے": جو کوئی اللہ کو گالی دے، یا انبیا کو گالی دے، تو اس کو قتل کر دیا جائے۔"

4۔اسلام ایک الہامی شریعت کے ساتھ ساتھ ایک کامل نظریہ حیات بھی ہے، جس میں سیکولرزم کی طرح پرائیویٹ اور پبلک کی کوئی تقسیم نہیں ہے، نہ ہی دین و دنیا کی کوئی تقسیم موجود ہے۔چنانچہ اسلام کے سیاسی نظم کا تقاضا یہ ہے کہ دارالاسلام میں اسلامی قوانین کی پاسداری کی جائے۔اگر دارالاسلام میں غیر مسلم لوگ چوری کریں تو ان پر اسلام کا قانونِ سرقہ یعنی قطع ید کو نافذ کیا جائے گا۔

5۔اسلام کی رو سے نبی کریم ﷺ کی بعثت کے بعد تمام انسان، آپ کی اُمت کا حصہ ہیں۔چاہے وہ آپ کی دعوت کو قبول کر کے اُمتِ اجابت کی سعادت حاصل کریں یا قبول نہ کر کے اُمتِ دعوت کی حیثیت پر برقرار رہیں۔اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو کائنات کے لئے رحمت للعالمین اور انسانیت کا محسن ومعلم بنا کر بھیجا ہے حتیٰ کہ آپ کی یہ فضیلت اور امامت سابقہ تمام انبیا پر بھی حاوی ہے۔

.6 آزادی اظہار کا جدید تصور بھی، انسانی آزادی اور اظہارِ رائے کے حق کو اُس حد تک محدود کرتا ہے جہاں اس سے کوئی دوسرا متاثر نہ ہو۔آزادی اظہار کی یہ حد بندی صرف ایک مسلمہ حقیقت نہیں بلکہ یورپی کنونشن کا چارٹر اس کو قانونی حیثیت بھی عطا کرتا ہے۔جس کی رو سے **"آزادی خیالات کے ان حقوق پر معاشرے میں موجود قوانین کے دائرہ کار کے اندر ہی عمل کیا جاسکتا ہے، تاکہ یہ آزادیاں کسی دوسرے فرد یا کمیونٹی کے تحفظ، امن وامان اور دیگر افراد یا کمیونٹی کے حقوق اور آزادیوں کو سلب کرنے کا ذریعہ نہ بنیں۔"** (مجریہ 1950، روم)

یوں بھی یہ مطالبہ ایک مہذب معاشرے میں کراہت آمیز ہے کہ انسانیت کی مسلمہ مقدس اور محسن شخصیت کے تقدس کو پامال کرنے کو انسانی حق قرار دیا جائے۔آپ ﷺ کی توہین سے پوری دنیا کی ایک چوتھائی آبادی یعنی ڈیڑھ ارب مسلمانوں کی دل شکنی اور دل آزاری ہوتی ہے۔انسانی حقوق کے ایسے تصور جن سے ایسے رویے استدلال لیتے ہیں، اس قابل ہیں کہ اُنہیں قوت سے کنٹرول کر کے مسلمہ تہذیب وآداب کا مقید بنایا جائے۔

(2) جدید قانون کی رو سے : نیشنل (وطنی) ریاست کے نقطہ نظر سے جس پر اس وقت دنیا بھر کی تمام ریاستیں قائم ہوئیں اور کاربند ہیں، یہ مسئلہ تو بڑا ہی سادہ ہے کہ کیا توہین رسالت کا پاکستانی قانون پاکستان کے غیر مسلم شہریوں پر لاگو کیا جائے گا؟

توہین رسالت کا قانون پاکستان کا 'لاء آف لینڈ' ہے جس کے قانونی ہونے کے تمام سیاسی مطالبے مثلاً

پارلیمنٹ کی توثیق ومنظوری اور عدالتی تقاضے بخیر وخوبی پورے کیۓ گۓ ہیں۔ یہاں یہ بھی یاد رہے کہ یہ قانون آخر کار 1992ء میں پاکستانی پارلیمنٹ کی منظوری کی بنا پر نافذ العمل ہے، کیونکہ جہاں تک وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کا تعلق ہے جس میں 30/اکتوبر 1991ء کی تاریخ دی گئی تھی، اس میں سزائے قید کے خاتمے کے ساتھ اس سزاے موت کو تمام انبیا کی توہین تک وسیع کرنے کی بات بھی کی گئی تھی۔ لیکن جب قومی اسمبلی اور سینٹ میں یہ معاملہ دوبارہ 1992ء میں پیش ہوا تو تمام انبیا کی توہین پر سزاے موت کی شق کو ختم کر دیا گیا اور آج پاکستان میں یہی قانون نافذ ہے جو تمام تر ارتقا کے بعد آخر کار پارلیمنٹ کی طرف سے اسی صورت میں منظور ہوا ہے کہ اس میں صرف نبی کریم ﷺ کی توہین وگستاخی پر سزاے موت کی سزا کا تعین کیا گیا ہے۔

ان وضاحتوں اور حقائق کی درستگی سے قطع نظر بہر حال توہین رسالت پاکستان کا منظور شدہ قانون ہے جو بلا امتیاز نہ صرف پاکستان کے تمام شہریوں بلکہ پاکستان میں آنے والے مسافروں اور زائرین پر بھی عائد ہوتا ہے۔ اس میں مذہبی حوالے کا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے، یہ پاکستان کا پبلک لاء ہے جو پاکستان کی دھرتی پر نافذ ہے۔

☆ جس طرح پاکستانی تارکین وطن پر جرمنی یا امریکہ کا قانون ان ممالک میں رہتے ہوئے نافذ ہوتا ہے، اسی طرح پاکستان کا قانونِ دہشت گردی پاکستان میں قیام پذیر لیکن دنیا بھر کے شہریوں پر نافذ ہوتا ہے۔ نیشنل ریاستوں کے اس مسلمہ تصور کے بعد یہ ایک قانونی مذاق ہے کہ کہا جائے کہ آسیہ مسیح پر پاکستانی قانون کے مطابق کیوں مقدمہ چلایا جا سکتا ہے اور اسے توہین رسالت کی سزا کیوں دی جا سکتی ہے؟

خلاصہ کلام:

ہم نے اپنی اس مختصر اور جامع تحریر میں اللہ اور اسکے حبیب مکرم ﷺ کو حاضر و ناظر جان کر انتہائی غیر جانبداری کے ساتھ دلائل وبراہین کی روشنی میں ممتاز حسین قادری اور سلمان تاثیر کے معاملے میں اٹھائے جانے والے اہم سوالات کے جوابات تحریر کیۓ ہیں ان جوابات کی روشنی میں اب فیصلہ خود قارئین کریں کہ:

کس نے قانون واسلام کا سرعام مذاق اڑایا۔

کس نے ایک عاشق رسول اور محافظ ناموس رسالت ﷺ ہونے کا ثبوت دیا۔

اور اللہ کریم اور اس کے حبیب مکرم ﷺ کے حضور حق پر کون ہے؟

فیصلہ خود کریں !!!!

جگر گوشہ سلطان العارفین، نجم المشائخ

عارف رمزِ طریقت پیر محمد خالد سلطان القادری سروری دامت برکاتہم العالیہ

کی جلد منظرِ عام پر آنے والی کتب

1- مطالع الانوار فی مولد النبی المختار ﷺ (دلائل وبراہین کی روشنی میں)

2- شاہکار ربوبیت ﷺ کا حسن مطلق

(رسولِ بے مثل ﷺ کے حسنِ لطافت کی جولانیوں کی بے نظیریت اور بے مثلیت پر ایک منفرد تحریر)

3- فقر مصطفیٰ ﷺ کی گوہر باریاں

(رسول کائنات ﷺ فقرِ اختیاری پر دلائل اور مختصر تذکرہ)

4- سلطانی چشمہ (سلطان العارفین حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تمام خلفاء اور دربارِ سلطان العارفین کے خانوادہ سے منسلک شخصیات کا تذکرہ)

5- نصاب الصالحین

(مریدین اور محبین کے لئے اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات کے مطابق ڈھالنے کے لئے ایک رہنما کتاب)

6- علمِ غیبِ مصطفیٰ ﷺ (حبیبِ پروردگار کے علم کے دلائل وبراہین پر مشتمل تحریر)

سعادتِ اہتمام: الصالحین پبلیکیشنز (جماعت الصالحین (پاکستان)
0333-7019011,03142088255